The Tradition of Palestinian Poetry in Urdu: From its Inception to Farasat Rizvi

اُردو میں فلسطینی شاعری کی روایت: آغاز تا فراست رضوی

Dr.Sadaf Naqvi*[1]
Assistant Professor, Department Of Urdu, GCWU Faisalabad.
Samiya Abdul Rauf*[2]
M.phil Scholar, Department Of Urdu, GCWU Faisalabad.

[1]☆**ڈاکٹر صدف نقوی**
اسسٹنٹ پروفیسر، شُعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
[2]☆**سمیعہ عبدالرؤف**
ایم فل سکالر، شُعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondance:sadafnaqvi@gcwuf.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 01-05-2026
Accepted:27-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Palestine has occupied a significant place in Urdu poetry since the early twentieth century, reflecting themes of resistance, justice, solidarity, and human dignity. Rooted in the intellectual legacy of Allama Iqbal, this poetic tradition was further developed by Faiz Ahmed Faiz, Ahmad Nadeem Qasmi, Ada Jafri, Ibn-e-Insha, Ahmad Faraz, Kishwar Naheed, Fahmida Riaz, and others. The influence of Palestinian poet Mahmoud Darwish, whose works on identity, exile, and freedom have been translated into Urdu, has strengthened literary ties between Arabic and Urdu traditions. In contemporary Urdu literature, poets such as Firasat Rizvi continue this legacy through works like Salam Palestine. From Iqbal to the present, Urdu poetry has consistently portrayed Palestine as a symbol of resilience, resistance, and hope, making a lasting contribution to the global tradition of resistance literature.

KEYWORDS: Literature, Palestine, Smbole , Resistance, Poetry, Urdu Language, Voices Of Justice.

بیسویں صدی کے حادثات و سانحات میں سب سے بڑا سانحہ مسئلہ فلسطین ہے۔ یہود و نصاریٰ نے یہ مسئلہ پیدا کر کے گویا اسلام کے دل میں خنجر گھونپ رکھا ہے۔ عصرِ حاضر کی بڑی سیاسی طاقتیں محض تماشائی ہیں۔ ان مظلوموں کے زخموں، اجڑتے گھروں اور بے کفن لاشوں کی ذمے دار عالمی طاقتوں کو اس کا کوئی غم نہیں۔

ارضِ فلسطین انبیائے کرام علیہ اسلام کا وطن ہے، بیت المقدس کی سرزمین ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز و محور ہے۔ اس کی تاریخ کا آغاز سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ خطہ اہم دینی، سیاسی، تہذیبی واقعات اور تاریخی تبدیلیوں کا مرکز چلا آرہا ہے۔ یہ سرزمین بہت سے صلحاء اور انبیاء کا مسکن رہی ہے۔ فلسطین کو انبیاء کرامؑ کا گھر ہونے کے علاوہ معراج کے واقعہ کی بھی حرمت اور برکت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس زمین کو مادی اور روحانی پہلو سے نوازا ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ شبِ معراج میں حضورؐ نے اسی مسجد اقصیٰ کی جانب سفر کیا۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں سورۃ الاسراء کی آیت نمبر 1 میں فرمایا گیا اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ:

"سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ
الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ
بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ"(۱)

پاکی ہے اس کی جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے ارگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

مسجد الاقصیٰ کو مسلمانوں کا قبلہ اوّل بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام ہونے کا رُتبہ حاصل ہے۔ یہ فلسطین کے شہر القدس میں واقع ہے۔ فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اول اور قدیم مسکن ہے۔ جہاں ان کے بہت سے مقدس مقامات واقع ہیں۔ عرب، عراق اور فلسطین میں اسلام کے اماکن مقدسہ واقع ہیں۔ جن کے ساتھ تمام مسلمانوں کو روحانی اور دلی عقیدت ہے۔ اس سے ہماری وابستگی جذباتی، تاریخی اور انسانی نوعیت کی ہے۔

فلسطین پر عثمانیوں کی حکومت 1917ء میں برطانیہ کے قبضے تک قائم رہی جو 1948ء تک جاری رہا۔1936ء میں فلسطینی عوام نے برطانوی حکومت کے خلاف بڑے انقلاب کا آغاز کیا۔ 2 نومبر 1917 کو، برطانیہ کے اُس وقت کے سیکرٹری خارجہ، آرتھر بالفور نے، برطانوی یہودی کمیونٹی کے ایک اہم شخصیت، لیونل والٹر روتھس چلڈ کو ایک خط لکھا تھا۔ خط مختصر تھا صرف 67 الفاظ لیکن اس کے مندرجات نے فلسطین پر ایک زلزلہ کا اثر ڈالا جو آج تک محسوس کیا جاتا ہے۔ اس نے برطانوی حکومت کو فلسطین میں یہودیوں کے لیے قومی گھر کے قیام اور اس مقصد کے حصول میں سہولت فراہم کرنے کا عہد کیا۔ اس خط کو بالفور اعلامیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

فلسطین کے بارے میں برطانیہ کا ایک خصوصی منصوبہ تھا جس کا اظہار 1917ء میں اعلان بالفور میں ہوا۔ اس میں یہ چیز تسلیم کرلی گئی کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے گی۔ مسئلہ فلسطین کا آغاز 1917ء میں معاہدہ بالفور سے ہوا تھا جب انگریز حکومت نے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور وہاں یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ نے یہودیوں کے ذریعے سے امریکہ کو جنگ میں شریک کرواکے پہلی جنگ عظیم میں اپنی شکست فتح میں بدلی اور اس خدمت کے بدلے میں اعلان بالفور ہوا۔ فلسطین میں یہودی ریاست پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی قائم ہو جاتی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہاں یہودیوں کی تعداد عربوں کے مقابلے میں انتہائی کم تھی چنانچہ دنیا بھر سے یہودیوں کی فلسطین آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور مقامی عربوں کے سخت احتجاج اور مزاحمت کے باوجود جاری رہا۔

یوں ان کی آبادی جو 1917 میں محض 8 فی صد تھی دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک تہائی تک جا پہنچی۔ یہی وہ وقت تھا جب 1947 میں اقوام متحدہ میں فلسطین کی تقسیم کی منظوری دی گئی اور 1948 میں اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ایک ہی معاملہ بار بار دہرایا جاتا ہے۔ فلسطینیوں کی سخت مزاحمت، عربوں کی بھرپور حمایت اور باقی مسلمانوں کی زبردست تائید اور ان سب کے باوجود فلسطین میں یہودی علاقوں اور آبادکاروں میں مسلسل اضافہ اور فلسطینیوں پر زندگی کا مستقل تنگ ہونا، اس کے بعد عربوں اور اسرائیل کے بیچ تین بڑی جنگیں لڑی گئیں۔ جس کے نتیجے میں اسرائیل کی حدود اور یہودی آبادی بڑھتی گئی۔ فلسطینیوں، عربوں اور مسلمانوں کی تمام تر کوشش کے باوجود آج تک اسرائیل کا وجود نہ صرف باقی ہے بلکہ بیت المقدس جو ابتدا میں ان کے پاس نہیں تھا، اب ان کے قبضہ میں ہے۔

1948ء کی خونریز عرب اسرائیل جنگ کے دوران تقریباً 7 لاکھ فلسطینی اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ 1948ء میں فلسطین کی آدھی عرب آبادی کو ان علاقوں سے زبردستی نکال دیا گیا جنہیں بعد میں اسرائیل کا نام دیا گیا۔ 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہوا، جس کے بعد عرب اسرائیل جنگیں 1967ء تک چلتی رہیں۔ 7 اکتوبر 2023ء کو حماس کے بڑے حملے کے بعد اسرائیل نے غزہ پر فضائی بمباری کا آغاز کیا جو تاریخ کی سب سے بڑی بمباری قرار دی گئی۔

1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد یورپ سے آئے ہوئے غاصب یہودیوں نے ہزاروں سال سے فلسطین میں آباد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے بے دخل کر کے انہیں کیمپوں میں نہایت ابتر حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ گزشتہ نصب صدی سے زائد عرصہ کے دوران اسرائیلی یہودیوں کی جارحانہ کاروائیوں اور جنگوں میں ہزاروں لاکھوں فلسطینی مسلمان شہید، زخمی یا بے گھر ہو چکے ہیں اور لاکھوں افراد مقبوضہ فلسطین کے اندر یا آس پاس کے ملکوں میں کیمپوں کے اندر قابلِ رحم حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فلسطین اور کشمیر کے مسائل کا آغاز گزشتہ صدی میں ہوا تھا اور اب تک ان مسائل کے فوری حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی فلسطینی اور کشمیری اپنے حقوق کے لیے جس طرح کی غیر معمولی قربانیاں دے رہے ہیں اور جس طرح یہ انسانیت سوز مظالم کا شکار ہو رہے ہیں اس کی کوئی مثال اس سے پہلے تاریخ میں نہیں ملتی۔

ادیب اور شاعر بہت حساس ہوتا ہے۔ وہ معاشرے میں ہونے والے سانحات پر سب سے پہلے قلم اُٹھاتا ہے۔ مسئلہ فلسطین پر بھی ہر عہد اور ہر زبان کے ادیبوں و شعراء نے لکھا۔ اُردو شاعری بھی فلسطین کے موضوع سے بھری پڑی ہے۔

اردو شاعری میں فلسطین کا تذکرہ اس وقت شروع ہوا۔ جب پہلی جنگ عظیم کے بعد مشرق وسطی کے نقشے تبدیل ہو رہے تھے۔ اردو ادب میں فلسطینی شاعری کی روایت محض لفظوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک طویل عرصے سے مزاحمت، ہمدردی اور انسانی حقوق کی پکار ہے۔ اور یہ صرف جدید دور کی پیداوار نہیں، بلکہ اس کی جڑیں قیام پاکستان سے بھی پہلے کی تحریکوں اور علامہ اقبال کے افکار میں ملتی ہیں۔ اردو شعراء نے فلسطین کے دکھ کو ہمیشہ اپنے گھر کا دکھ سمجھا ہے۔

14 مئی 1948 کو برطانوی مینڈیٹ کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی، صہیونی نیم فوجی دستے پہلے ہی سے فلسطینی قصبوں اور دیہاتوں کو تباہ کرنے کے لیے فوجی آپریشن شروع کر رہے تھے تاکہ صہیونی ریاست کی سرحدوں کو وسعت دی جا سکے۔ اپریل 1948 میں یروشلم کے نواح میں واقع گاؤں دیر یاسین میں 100 سے زائد فلسطینی مرد، خواتین اور بچے مارے گئے۔ اس نے بقیہ آپریشنوں کے لیے راستہ ہموار کیا، اور 1947 سے 1949 تک، 500 سے زیادہ فلسطینی دیہات، قصبے اور شہر تباہ کیے گئے۔ 15 مئی 1948 کو اسرائیل نے اپنے قیام کا اعلان کیا۔ اگلے دن، پہلی عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی۔ یہ جنگ جنوری 1949 میں اسرائیل اور مصر، لبنان، اردن اور شام کے درمیان جنگ بندی کے بعد ختم ہوئی۔ دسمبر 1948 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد منظور کی جس میں فلسطینی پناہ گزینوں کی واپسی کے حق کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام اور فلسطینیوں کی بے دخلی نے اردو شعراء کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس دور میں ترقی پسند تحریک نے فلسطین کے مسئلے کو عالمی سامراج مخالف جدوجہد کے طور پر اپنایا۔ اسی دور میں مخدوم محی الدین، ساحر لدھیانوی اور علی سردار جعفری نے فلسطین کے حق میں نظمیں لکھ کر اس روایت کو باقاعدہ ایک تحریک کی شکل دی۔

جدید عربی اور ہم عصر فلسطینی ادب کے تنقید و تجزیہ اور ترجمہ و تعارف کا کام محمد کاظم نے جس دِقّتِ نظر اور جس جرأت فکر کے ساتھ سر انجام دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ محمد کاظم کے زیرِ اثر ادیبوں کا ایک پورا گروہ فلسطینی ادب کے تراجم میں مصروف رہا اور احمد ندیم قاسمی، امجد اسلام امجد، محمود شام، منو بھائی، کشور ناہید اور اظہر سہیل وغیرہ کے تراجم نے اردو میں مزاحمتی ادب کا ایک نیا دور شروع کیا ہے۔ اس کا جیتا جاگتا احساس فیض کی یاسر عرفات سے ملاقات اور ظہیر محسن کے ماتم کا بیان پڑھ کر ہوتا ہے۔ عہد حاضر میں ڈاکٹر محمد افتخار شفیع کی مسئلہ فلسطین پر تحقیق اور پروفیسر فتح محمد ملک کی ''فلسطینی ادب'' کے تراجم نے نغمہ حریت کی لے کو زندہ کیا ہے اور ہمارے دل و ذہن کو فلسطینی دکھ درد سے آشنا کیا ہے۔

١٩٦٧ء کی عرب اسرائیل اور 1982ء میں بیروت پر حملے کے بعد اردو شاعری میں فلسطین کا ذکر ایک "مستقل موضوع" کے طور پر پر ابھرا۔ احمد فراز، منیر نیازی، کشور ناہید اور افتخار عارف جیسے شعراء نے اس عہد میں شاہکار تخلیق کیے جن میں فلسطین صرف ایک خطہ نہیں بلکہ ظلم کے خلاف استقامت کی علامت بن گیا۔

چنانچہ الجزائر میں سامراجی نقطۂ نظر سے بروقت فوجی بغاوت سے لے کر 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ تک جب مغرب کے سرمایہ پرست اور روس کے ترمیم پسند ایک ہی مقامِ دل و جاں پر کھڑے نظر آئے تو احمد ندیم قاسمی نے اپنے کرب کو اس سوال میں ڈھالا:

اب کہاں جاؤ گے؟ اے دیدہ ورو!
اب تو اس سمت بھی ظلمت ہے
جہاں شب کے الاؤ میں نہا کر
مرے سورج کو نکلنا تھا(۲)

ابن انشاء کی طویل نظم ''دیوار گریہ'' کے چند مصرعے دیکھیے جس میں وہ عرب حکمرانوں کی عیاشی کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں تو دوسری طرف عرب عوام کو عزت کی زندگی کا راستہ بھی دکھاتے ہیں:

یا اخی! یا اخی!
آ دکھائیں تجھے تیری دلجوئی کو
دور مشرق میں احرارِ ہنوائی کو
ان کا دشمن شکستوں سے بے حال ہے
ان کو لڑتے ہوئے بیسواں سال ہے

یہ بھی ملحوظ رکھ تو جو دل تنگ ہے
یہ بھی اُن کی ہے، وہ بھی تری جنگ ہے
جنگ میں گام دوگام ہٹتے بھی ہیں
آگے بڑھنے کو پیچھے پلٹتے بھی ہیں(۳)

ادا جعفری نے بھی فلسطینیوں کے ساتھ اپنے غم کا اظہار کیا ہے:

نامناسب تو نہ تھا شعلہ بیاں بھی ہوتے
تم مگر شعلہ بہ دل شعلہ بہ جاں بھی ہوتے
کس کی جانب نگراں تھے کہ لگی ہے ٹھوکر
تم تو خود اپنے مقدر کی عناں تھامے تھے(۴)

امجد اسلام امجد کی فلسطین کے موضوع پر نازک الملائکہ کی ترجمہ شدہ نظم دیکھیے یہ سب نظمیں نازک الملائکہ نے ۱۹۶۷ء کی جنگ حزیران کے حوالے سے لکھی تھیں۔ اس نظم کا عربی نام "الضیف" ہے جب کہ امجد اسلام امجد نے اس کا ترجمہ "مہمان" کے نام سے کیا ہے:

اُس کی دستک کے سے وقف تحیر ہم لوگ
دشت غفلت میں کھڑے دیکھتے تھے
بے سحر رات کی بے فاصلہ پنہائی کو
خاک سے تابہ فلک کھلتے چلے جاتے تھے
لشکر غم کے علم
اس کی دستک کی صدا سن کے کوئی کہنے لگا
آخر کار کوئی آیا ہے
وہ چمن جس کو غنیموں نے خزاں بخت کیا
اس کے بارے میں کوئی اچھی خبر لایا ہے
قاصد اہل وطن آیا ہے
شاید اُس پاس کوئی اچھی خبر ہو جو ہمیں

غم کے بے نام الاؤ سے رہائی دے دے
نطق خاموش کو پھر نغمہ سرائی دے دے
ہم نے روتی ہوئی آنکھوں سے اٹھائیں پلکیں
اور امید بھرے دل سے کہا
اے گئی رات کے مہمان، بتا کون ہے تو؟[۵]

اردو میں فلسطینی شاعری کی تاریخ کو دیکھیں تو کچھ نام ایسے ہیں جنہوں نے اس موضوع کو محض ہمدردی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے باقاعدہ اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ فلسطین کے مسئلے پر احمد ندیم قاسمی، ابن انشا، ادا جعفری، احمد فراز، زہرہ نگاہ، کشور ناہید، اسلم فرخی، فہمیدہ ریاض، شاہدہ حسن اور ہمارے کتنے ہی شاعروں نے قلب و روح کی گہرائیوں سے نظمیں لکھیں۔

اُردو شاعری میں فلسطین کے ذکر کا سلسلہ اقبال سے شروع ہو جاتا ہے۔ اقبال ہمارا بڑا شاعر ہے۔ لیکن اقبال کے یہاں فلسطین کو اس طور پر شاعری کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے، جیسا کہ اب ہے۔ لیکن اس کی وجہ بھی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں تو اقبال کی وفات ہو جاتی ہے اور اس وقت تک یہ مسئلہ ٔفلسطین اس طرح سامنے نہیں آیا تھا۔ البتہ اس کی دھمک، اس کی لرزشیں اور اس کی آوازیں آنا شروع ہو چکی تھیں۔ اقبال کو فلسطین کے مسلمانوں سے گہری ہمدردی تھی کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام نسل، علاقوں اور سرحدوں سے ماورا ہے۔ اقبال کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا اور اسرائیل ۱۹۴۸ء میں وجود میں آیا لیکن اس سے قبل مشرقِ وسطیٰ میں ہونے والی تبدیلیوں پر اقبال گہری نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ مغربی ممالک ان تمام وعدوں کو روندتے ہوئے، جو انھوں نے پہلی جنگِ عظیم کے بعد مسلمانوں سے مذاکرات میں کیے تھے، یہودیوں کو فلسطین میں زمینیں دینے پر تُلے ہوئے تھے۔

"ہماری قوم جو گزشتہ نصف صدی سے بیت المقدس میں ہے اور لڑ رہی ہے اقبال اس محاذ کے مجاہدِ اوّل تھے۔ وہ آزادیٔ فلسطین کے محاذ پر عربوں سے بھی پہلے پہنچے۔ اقبال نے اس جنگ کو اپنی قومی آزادی کی جنگ کا اٹوٹ سمجھا اور اس کی تہہ در تہہ معنویت کو آشکار کیا۔ ان کے نزدیک فلسطین کی آزادی اتنی اہمیت رکھتی تھی کہ اقبال ۱۹۳۱ء دسمبر میں یروشلم کے حوالے سے لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی شریک ہو چکے تھے اور مسجد اقصیٰ کے قریب ہی انھوں نے قیام کیا تھا۔ وہ عالمِ اسلام کے نمائندوں کی

کانفرنس میں شرکت کی خاطر لندن میں ہندی مسلمانوں کی آزادی کے
مذاکرات کو ادھورا چھوڑ کر بیت المقدس جا پہنچے تھے۔ یہاں سے اُنہوں نے
یروشلم کا سفر کیا تاکہ موتمرِ عالمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام صہیونی خطرے پر
ہونے والی کانگریس میں شریک ہو سکیں۔"(۶)

اردو زبان میں نمایاں طور پر خطۂ فلسطین کے بارے میں حکیم الامت علامہ اقبال کا نام اولین معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اقبال کی طویل نظم "ذوق و شوق" کا اصل سیاق و سباق بھی مسئلہ فلسطین ہے۔ اقبال نے سرزمینِ فلسطین و قبلۂ اول سے اپنی روحانی و جذباتی وابستگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

ہے خاک فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا
جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مِرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عُقدہء دُشوار
تُرکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پنجے میں گرفتار(۷)

"فلسطینی عرب سے" خطاب کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا، جو ضرب کلیم میں موجود ہے:

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے(8)

اقبال نے اور بھی کئی نظموں میں فلسطین کا مقدمہ لڑا ہے۔ اقبال کی نظر نے اسّی سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ قبل یہ محسوس کر لیا تھا کہ عالمی اقتداری طاقتیں کبھی بھی فلسطین کی حمایت نہیں کریں گی۔ انھوں نے فلسطینیوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ اس مسئلے کا حل خود تمھیں بن سکتے ہو۔ تمھاری غلامی کا اگر کوئی حل ہو سکتا ہے تو وہ تمہاری خودی میں ہی مضمر ہے۔

اقبال برطانیہ کی یہود نوازی کے سخت مخالف تھے۔ محمد رفیق افضل نے اپنی کتاب ”گفتارِ اقبال“ میں اخبار ”انقلاب“ کے شمارہ ۱۰/ ستمبر ۱۹۲۹ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور میں ایک جلسہ بیرونِ دہلی دروازہ منعقد ہوا جس میں فلسطین کے بارے میں برطانیہ کی یہود نواز حکمتِ عملی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ اقبال نے اس جلسے کی صدارت کی اور اپنی تقریر میں کہا:

> "یہودی یورپ کی تمام سلطنتوں میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے یورپ کے ستائے ہوئے یہودیوں کو نہ صرف پناہ دی بلکہ انھیں اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ ترک یہودیوں کے ساتھ غیر معمولی رواداری کا سلوک کرتے رہے۔“(۹)

علامہ اقبال نے لندن ۱۹۳۱ء میں منعقدہ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ اُنھیں دنوں یروشلم میں موتمرِ عالمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام ایک کانگریس کا انعقاد ہو رہا تھا تاکہ صیہونی خطرے پر غور کیا جا سکے۔ اقبال لندن کی گول میز کانفرنس کو ادھورا چھوڑ کر یروشلم چلے گئے تاکہ اس کانگریس میں شریک ہو سکیں۔

نومبر ۱۹۳۲ء میں اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ وہاں ان کی ملاقات مس مارگریٹ فرکہرسن (Miss Margerate Farquharson) سے ہوئی۔ مس فرکہرسن ایک تنظیم نیشنل لیگ کی رہنما تھیں۔ اس تنظیم کا ایک مقصد برعظیم پاک و ہند اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کو انصاف کے حصول میں مدد دینا بھی تھا۔

مس فرکہرسن کے نام اپنے ایک انگریزی میں لکھے گئے خط بتاریخ ۲۰/ جولائی ۱۹۳۷ء میں اقبال نے بعض اہم باتیں لکھیں۔ شیخ عطاء اللہ نے ”اقبال نامہ“ میں اس خط کا اردو ترجمہ درج کیا ہے۔ اس میں سے کچھ اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال آخرِ عمر میں بھی باوجود بیماری کے مسلمانوں، فلسطین اور عالمِ اسلام کے معاملات و مسائل کے بارے میں کتنے متفکر رہتے تھے۔ لکھتے ہیں:

> "میں بدستور بیمار ہوں اس لیے فلسطین رپورٹ پر اپنی رائے اور وہ عجیب و غریب خیالات اور احساسات جو اُس نے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں بالخصوص اور ایشائی مسلمانوں کے دلوں میں بالعموم پیدا کیے ہیں تفصیل سے

تحریر نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ نیشنل لیگ آف انگلینڈ وقت شناسی کا ثبوت دے اور اہلِ برطانیہ کو عربوں کے خلاف جن سے برطانوی سیاست دانوں نے اہلِ برطانیہ کے نام سے حتمی وعدے کیے تھے ناانصافی کے ارتکاب سے بچا لے۔ ہمیں یہ کبھی بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ فلسطین انگلستان کی کوئی ذاتی جائیداد نہیں۔ فلسطین پر یہودیوں کا کوئی بھی حق نہیں۔ یہودیوں نے تو اس ملک کو رضامندانہ طور پر عربوں کے فلسطین پر قبضے سے بہت پہلے خیر باد کہہ دیا تھا۔"(۱۰)

دیگر کئی مواقع پر بھی اقبال نے فلسطینیوں کی حمایت کی۔ اس سلسلے میں اقبال کے ایک خط بنام قائد اعظم محمد علی جناح کا ذکر ضروری ہے۔ بشیر احمد ڈار کی کتاب Letters of Iqbal میں وہ خط بھی شامل ہیں جو اقبال نے قائد اعظم کو لکھے تھے۔

اقبال نے یہ خط ۷/اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم کے نام لکھا تھا، یعنی اپنی وفات سے چھ سات ماہ قبل، اور بیماری کے عالم میں بھی فلسطین کے لیے اقبال کا جذبہ دیدنی ہے۔ یہ خط انگریزی میں ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ اقبال اسرائیل کے قیام کو مشرق کے دروازے پر مغربی اڈے کا قیام سمجھتے تھے اور اس عمر اور بیماری کی حالت میں بھی مسئلہ فلسطین پر جیل جانے کو تیار تھے۔ مسئلہ فلسطین کے حوالہ سے اپنے ایک خط میں قائد اعظم محمد علی جناح سے اپنے جذبات اور کرب کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"میں فلسطین کے مسئلے کے لیے جیل جانے کے لیے تیار ہوں، اس لیے کہ مَیں جانتا ہوں کہ فلسطین نہ فقط ہندوستان کے لیے، بلکہ اسلام کے لیے بہت عظیم ہے یہ ایشیا کا دروازہ ہے، جس پر بُری نیت سے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔"(۱۱)

علامہ اقبال کے بعد فیض احمد فیض نے اس موضوع پر لکھا۔ ہمارے حساس شعرا نے جو اپنی ذات کے علاوہ دنیا کے انسانی مسائل کے بارے میں بھی سوچتے اور لکھتے ہیں۔ ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے فلسطین پر اپنا تخلیقی ردِ عمل ظاہر نہ کیا ہو۔ ان میں نامور شاعر فیض احمد فیض کو سب پر سبقت حاصل ہے۔ اس کی ایک وجہ ان کی نظریاتی اور جذباتی وابستگی اور دوسری وجہ یہ کہ وہ خود بیروت اور فلسطین میں بہ نفسِ نفیس موجود رہے۔ انھوں نے بیروت میں رسالے "لوٹس" کے مدیر اور یاسر عرفات کے ذاتی دوست کی حیثیت سے ماہ سال بسر کیے اور فلسطین کے دکھوں کو بہت قریب سے دیکھا۔

فیض کی شاعری میں فلسطین کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ان کا مجموعہ کلام ''میرے دل میرے مسافر'' فلسطینیوں کے نام ہے۔

"میرے دل میرے مسافر" یہ فیض احمد فیض کا ساتواں اور آخری شعری مجموعہ ہے جو 1981ء میں شائع ہوا۔ اور اس کا انتساب بھی یاسر عرفات کے نام ہے۔ اس مجموعے کی کئی نظمیں فلسطین کے لیے ہیں۔ ان کی مشہور نظم ''فلسطینی شہدا جو پردیس میں کام آئے'' فلسطین کی جدوجہد سے لازوال محبت اور یک جہتی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں کئی نظمیں بیروت اور اہلِ فلسطین کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح فیض احمد فیض کے کلیات ''نسخہ ہائے وفا'' کا آخری حصہ جو ''غبارِ ایّام'' کے نام سے موسوم ہے، بیروت کی یادگار نظموں کا حامل ہے۔ فیض نے زندگی کے آخری دور میں بیروت ہی سے تعلق رکھا۔ فیض کی نظم ''فلسطینی شہداء جو پردیس میں کام آئے'' سے چند مصرعے دیکھیے:

میرے زخموں نے کیے کتنے فلسطیں آباد
میں جہاں پر بھی گیا ارضِ وطن
تیری تذلیل کے داغوں کی جلن دل میں لیے
تیری حرمت کے چراغوں کی لگن دل میں لیے
جس زمیں پر بھی کھلا میرے لہو کا پرچم
لہلہاتا ہے وہاں ارضِ فلسطیں کا علم
تیرے اعدا نے کیا ایک فلسطیں برباد
میرے زخموں نے کیے کتنے فلسطیں آباد (۱۲)

فیض نے دو نظمیں فلسطینیوں اور مسئلہ ٔفلسطین کے حوالے سے کہی ہیں۔ ایک نظم ہے ''فلسطینی جہاد'' بعد میں اس کا عنوان ''ہم دیکھیں گے'' ہو گیا۔ فیض کی ایک اور نظم ''ترانہ'' جو کہ فلسطین کے موضوع پر ہے اس کے چند مصرعے دیکھیے:

حقّا ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
کیا خوف یلغارِ اعداء
ہے سینہ سپر ہر غازی کا
کیا خوف یورشِ جیشِ قضا

صف بستہ ہیں ارواح الشہدا
ڈر کا ہے کا!
ہم جیتیں گے
حقّا ہم اک دن جیتیں گے[۱۳]

اسرائیل کی فلسطین پر تباہ کن بمباری سے ہر ذی شعور غم زدہ ہوتا ہے۔ اُس کا دل روتا ہے۔ فیض کی نظم ''فلسطینی بچے کے لیے لوری'' میں وحشت اور بربریت کے باعث ہونے والی تباہ کاری کی پوری منظر کشی کی گئی ہے۔ فیض احمد فیض نے فلسطینی بچے کے لیے لوری لکھی:

مت رو بچے
رو رو کے ابھی
تیری امی کی آنکھ لگی ہے
مت رو بچے
کچھ ہی پہلے
تیرے ابا نے
اپنے غم سے رخصت لی ہے

اور پھر آخر میں لکھتے ہیں:

مت رو بچے
امی، ابا، باجی، بھائی
چاند اور سورج
تو گر روئے گا تو یہ سب
اور بھی تجھ کو رلوائیں گے
تو مسکائے گا تو شاید
سارے اک دن بھیس بدل کر
تجھ سے کھیلنے لوٹ آئیں گے[۱۴]

فیض کا شعری مجموعہ ''سروادیٔ سینا'' میں بھی فلسطینی شہدا کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

" سرِ وادیٔ سینا'' یہ فیض احمد فیض کا ایک مشہور مجموعہ ہے اور اسی نام سے ایک انقلابی نظم ''سرِوادیٔ سینا'' ہے۔ یہ مجموعہ 1968ء میں عرب اسرائیل جنگ کے تناظر میں لکھا گیا۔ اس میں وادی سینا کی تاریخ اور مذہبی اہمیت کو موجودہ سیاسی صورتحال کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ 1967ء میں فلسطین پر اسرائیلی جارحیت نے جہاں عالم اسلام کی ہر آنکھ کو اشک بار کر دیا وہاں فیضؔ کو اس جارحیت پر ''سرِوادیٔ سینا'' آتش و آہن کی بارش کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس برستی آگ کو برقِ فروزاں کہتے ہیں اور لپکتے ہوئے شعلوں کو جن میں امن کی فاختہ کے پر جل گئے وہ اسے ''رنگ پہ ہے شعلۂ رخسارِ حقیقت'' کہہ کر دنیا بھر کے دانش وروں کو سوچنے کا عندیہ دیتے ہیں۔ کشتِ افسوس بونے والے زیاں پرستوں کے نوحہ و ماتم سے الگ، اسلامی تاریخ و تہذیب سے پھوٹنے والے حریت کے اس لحن میں تخلیق کی جانے والی شاعری کا نکتۂ کمال '' سرِ وادیٔ سینا'' ہے۔ فیض احمد صحرائے سینا میں گرم معرکہ کارزار میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں اور حریت پسندوں کی سرفروشی اور جاں سپاری کو قرآنی اور صوفیانہ استعاروں میں بیان کرتے ہیں۔''(۱۵)

فیض کی نظم دیکھیے:

اے دیدۂ بینا
اب وقت ہے دیدار کا دم ہے کہ نہیں ہے
اب قاتلِ جاں چارہ گرِ کلفتِ غم ہے!
گلزارِ قرم پرتوِ صحرائے عدم ہے
پندارِ جنوں
حوصلہ راہِ عدم ہے کہ نہیں ہے!
پھر برق فروزاں ہے سر وادیٔ سینا
اے دیدۂ بینا(۱۶)

پاکستانی ادب کی عالمی شناخت کے حوالے سے فیض احمد فیضؔ کا شمار اُن عہد ساز شعرا میں کیا جاتا ہے جن کے حرفِ زندہ نے شعری اعتبار کی کائنات کو نت نئے مفاہیم سے آشنا کیا۔ علامہ اقبال کے بعد فیض احمد فیضؔ انسانی دردمندی کے جذبے سے سرشار ایسے شاعر ہیں جن کی فلسطین اور تحریکِ آزادیٔ فلسطین سے تعلق کی بہت سی جہتیں ہیں۔ مسئلۂ فلسطین اور فلسطین کی تحریک آزادی سے فیضؔ کی وابستگی عملی ہے۔ وہ ایک طویل مدت تک لبنان کے دارالحکومت بیروت میں رسالے "لوٹس" کے مدیر رہے جو افریقا اور ایشیا کے ادیبوں کا ترجمان تھا۔

نعیم صدیقی کی مشہور نظم "یروشلم یروشلم" میں مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کے لیے جو مختلف تحریکیں برپا کیں، ان کی پوری تاریخ سمودی گئی ہے۔ "یروشلم یروشلم" اسلامی ادب میں ایک سنگِ میل نظم جو بعد میں مستقل کتابی صورت میں بھی شائع ہوئی:

لہو اگل رہا ہے آج، میرا پُرخوں قلم
شکست آرزو کا کیا، فسانہ ہو سکے رقم
خیال پرزے پرزے ہیں، کروں میں کس طرح بہم
یروشلم، یروشلم! (۱۷)

اردو میں فلسطینی شاعری کی روایت کا آغاز اقبال کی بصیرت، فیض کی انقلابی دوستی اور نعیم صدیقی کے مذہبی جذبے سے ہوا۔ یہ تینوں مل کر اس روایت کی بنیاد بنے جو آج فراست رضوی جیسے شعراء تک پہنچی ہے۔ فلسطینی ادب اور محمود درویش کا نام لازم و ملزوم ہے۔ فلسطین کے ممتاز شاعر محمود درویش نے زندگی بھر اپنی شاعری کو فلسطینی مسئلے کو اُجاگر کرنے کے لیے استعمال کیا، یہی وجہ ہے کہ اُنھیں فلسطین کا قومی شاعر کہا جاتا ہے۔ محمود درویش پورے مشرقِ وسطیٰ میں مشہور تھے۔ محمود درویش نے فلسطینیوں کے اپنی ریاست کے خواب کو شاعری کے روپ میں بیان کیا اور ۱۹۸۸ء میں فلسطینی آزادی کے اعلان کو ممکن بنانے کے ساتھ فلسطینی قوم کی شناخت کو اُجاگر کرنے کی سعی کی۔ محمود درویش نے ایک مزاحمتی شاعر کی حیثیت سے اپنے ادبی کیریئر کا آغاز کیا اور بعد میں فلسطینیوں کے ضمیر کی آواز بن گئے۔ محمود درویش کی شاعری کے اردو سمیت 20 سے زائد زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور انہیں ان کی شاعری پر کئی متعدد بین الاقوامی اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔

فلسطین کے لیے شاعری کا سب سے اہم نام محمود درویش کا ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں :

"وہ عربی زبان کے نمائندہ اور بے باک شاعر تھے۔ محمود درویش نے تو فلسطین کے غم کو اپنی زندگی کا جزبنالیا تھا۔ ان کو فلسطین کی سانس کہا گیا۔ ان کا ایک شعری مجموعہ 'تتلی کا بوجھ' ہے۔ تتلی کو انھوں نے اپنے وطن کا استعارہ بنایا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اقوام عالم ان کی تتلی کو بوجھ سے نجات دلائیں۔ ان کی شاعری فلسطین کے آزادی کے خواب سے عبارت ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فلسطین کی آزادی کا خواب اُن کو قبر میں بھی چین کی نیند نہیں سونے دے گا۔ محمود درویش نے فلسطین کا قومی ترانہ لکھا۔ اُن کے تقریباً تیس شعری مجموعے ہیں۔ جن میں بے بال و پر پرندے، زیتون کے پتے، انجام شب، بندوق کی روشنی میں لکھنا، گلیلی میں پرندے مر رہے ہیں، دور کی خزاں میں اترنے والی ہلکی بارش، اجنبیوں کا بستر اور وہ ایک جنت تھی وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام کتابوں کی ایک ایک سطر مقبوضہ فلسطین کے کرب اور فلسطینیوں کے احساسات کا اظہار یہ ہے۔"(۱۸)

محمود درویش فلسطینی مزاحمتی شاعری کے حوالے سے غالباً سب سے مؤثر، معروف اور نمائندہ آواز ہے۔ وہ فلسطین کے قومی ترانے کے بھی خالق ہیں۔ 1993ء میں اُنھوں نے خود سے فلسطینی عوام کے لیے ایک منشور بھی مرتب کیا تھا۔ محمود درویش 13 مارچ 1941ء کو فلسطین کے ایک گاؤں البرے میں پیدا ہوئے۔ جبکہ وفات 2008ء میں ہوئی۔ وہ ابھی سات برس کے تھے کہ اسرائیل کے قیام کے اعلان کے بعد اسرائیلی فوجوں نے اپنی غاصبانہ آزادی کے نشے میں بحیرہ قلزم کے ساحلوں پہ آباد سیکڑوں قصبے اور گاؤں، زندگی کی بہار سے کھکھلاتی بستیاں برباد کر ڈالی تھیں۔ ہنستی بستی گلیوں پر چڑھ دوڑنے والوں نے محمود درویش کا گاؤں بھی جلا ڈالا۔

موجودہ عہد میں بہت سے شعرا نے فلسطین کے موضوع پر لکھا ہے لیکن فراست رضوی وہ شاعر ہے جن کا پورا مجموعہ کلام "سلام فلسطین" کے نام سے ہے۔ فراست رضوی ایک ذہین، طباع اور زود گو شاعر ہیں۔ اسی لیے ان کی گفتگو، ان کا اندازِ فکر اور معاملات تک رسائی کا عمل ہمیشہ تیز رفتار رہتا ہے۔ انھیں خلوت و جلوت میں کبھی نڈھال یا سست رو نہیں دیکھا۔ ذہانت کی چمک ان کی آنکھوں اور گفتار دونوں میں نمایاں رہتی ہے۔ ان میں حسِّ ظرافت بھی بلا کی ہے۔ ان کی نثری تحریریں، جو تعداد میں اچھی خاصی ہیں، یک جا نہیں ہوئی ہیں لیکن ان کی غزلوں، نظموں اور رباعیوں کے مجموعے منصۂ شہود پر آ چکے اور ادبی حلقوں سے خاطر خواہ داد پا چکے ہیں۔ اب ان کی مزاحمتی نظموں کا ایک مجموعہ "سلام فلسطین" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ مجموعہ مختلف نوعیت کا ہے۔ اس میں تمام نظمیں فلسطین کے لے ہیں۔ ان تمام مزاحمتی نظموں کا تعلق فلسطین کی مزاحمتی جدوجہد اور یہودی استعماریت کی چیرہ دستیوں پر ایک نوع کا تخلیقی ردعمل ہے۔

فلسطین پر اُردو شاعری علامہ اقبال سے شروع ہوئی اور فراست رضوی کے مجموعہ کلام "سلام فلسطین" تک نت نئی آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے شاعروں نے فلسطینیوں کی تحریک مزاحمت کے مختلف ادوار پر نظمیں تخلیق کی ہیں مگر فراست رضوی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے تحریک آزادی فلسطین پر مسلسل اور متواتر بڑی اثر انگیز شاعری تخلیق کی ہے۔ " اعلان بالفور" سے لے کر آج تک اس تحریک مزاحمت کے ہر تاریخی اور سیاسی سنگ میل پر ان کی ایک نہ ایک نظم تاریخ وسیاست کو شاعری بناتی چلی آرہی ہے۔ اپنی نظم "سو برس ہو گئے" میں وہ فلسطینیوں کے دکھ کو اپنے دل میں جذب کرتے ہوئے نالاں ہیں کہ:

سو برس ہو گئے
جبر کے دور کو سو برس ہو گئے
زخم بالفور کو سو برس ہو گئے
کوئی آیا نہیں چارہ سازی کی دعوت لیے
مرہم حرفِ نصرت لیے
کوئی آیا نہیں، کوئی آیا نہیں
سو برس ہو گئے (۱۹)

علامہ اقبال سے لے کر فراست رضوی تک بیشتر اردو شاعروں نے فلسطینی عربوں کے مصائب پر بڑی مؤثر نظمیں لکھی ہیں مگر فراست رضوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے فقط ایک آدھ نظم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فکر انگیز نظموں پر مشتمل ایک پوری کتاب لکھ ڈالی ہے۔ یہ کتاب شعر و ادب کے ساتھ ساتھ تاریخ وسیاست کا بھی ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ اس کتاب میں شاعری تاریخ بن گئی ہے اور سیاست شاعری میں اس مجموعۂ کلام کو فراست رضوی کا ایک یادگار کارنامہ ہے۔

فراست رضوی صاحبِ فراست ہیں۔ اُن کی شاعری کا یہ مجموعہ فکر انگیز نظموں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب شعر و ادب کے ساتھ تاریخ وسیاست کا بھی ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔ فراست رضوی نظم "عرب لیگ" میں لکھتے ہیں:

یہ مظلوم بے گھر
حمیت کے غیرت کے پیکر
انہیں ایک غاصب ریاست نے
ان کا وطن چھین کر غم زدہ کر دیا

ان کے قدموں تلے سے زمیں کھینچ لی
یہ اقصیٰ کی حرمت کے سچے محافظ
یہ بیت مقدس کے وارث
عرب لیگ، یہ سب فلسطینی بھی تو عرب ہیں
تو پھر یہ تمہارے لیے درخور اعتنا کیوں نہیں ہیں
کبھی ان کی جانب بھی دیکھو(۲۰)

"عرب لیگ'' کے بعد جب وہ مسلمان ملکوں کی عالمی تنظیم او آئی سی کی طرف دیکھتے ہیں تو بھی ان کو گہری مایوسی ہوتی ہے تو وہ پکار اٹھتے ہیں:

......پر تم کو کوئی فکر نہیں
محسوس تمہیں کوئی کمی نہیں
پلکوں پہ تمہارے نمی نہیں
کوئی دل میں تمہارے رنج نہیں
جو تم نے رباط میں اُمّت سے
پیمان محبت باندھا تھا
یکجہتی اور اخوت کے
نعرے جو تم نے لگائے تھے۔
جو ہم کو خواب دکھائے تھے
وہ کہاں گئے، وہ کہاں گئے
اب تم کو کچھ بھی یاد نہیں
تم ایک ردائے خاموشی اوڑھے ہوئے
کب سے بیٹھے ہو
تم اپنے وعدے بھول گئے
نصرت کے ارادے بھول گئے(۲۱)

فلسطین مسلمانوں کا قبلہ اوّل ہے۔ مسلمانوں کو اُس سے روحانی عقیدت ہے۔ جب تک فلسطین کے مسئلے کا پُرامن حل نہیں ہوتا فلسطین پر ہر ذی شعور ادیب لکھتا رہے گا۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو ''معاہدہ بالفور'' کے نتیجے میں آج تک فلسطین پر بمباری و تباہی کا سلسلہ جاری ہے۔ فلسطین کی عمارتوں کو کھنڈر بنا دیا گیا ہے۔ بچوں یا عورتوں تک کو شہید کر دیا گیا ہے۔ لیکن اقوامِ متحدہ آج تک اس مسئلے کو حل نہیں کر سکی۔ ہمارے ادیب اور شعراء نے ہر عہد میں فلسطین کے موضوع پر لکھا ہے۔

حوالہ جات

1۔ القرآن الحکیم، سورۃ الاسرا(۱۷)۱

2۔ احمد ندیم قاسمی، ندیم کی نظمیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1991ء، ص:88

3۔ ابن انشاء، اس بستی کے اک کوچے میں، دہلی: ادبی دنیا اُردو بازار، 1978ء، ص:170

4۔ ادا جعفری، ساز سخن (انتخاب)، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 1988ء، ص:55

5۔ امجد اسلام امجد، عکس (جدید عربی نظموں کا منظوم ترجمہ)، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1976ء، ص:7

6۔ فتح محمد ملک، فلسطین اُردو ادب میں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص:118

7۔ محمد اقبال، ضرب کلیم، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2002ء ص:160

8۔ ایضاً، ص:163

9۔ محمد اقبال، گفتارِ اقبال، مرتب: محمد رفیق افضل، لاہور: ادارہ تحقیات پاکستان، 1977ء، ص:91

10۔ محمد اقبال، اقبال نامہ (مجموعہ مکا تیب اقبال) مرتب: شیخ عطا اللہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1951ء، ص:445

11۔ بشیر احمد ڈار، لیٹرز آف اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1978ء، ص:264

12۔ فیض احمد فیض، مرے دل مرے مسافر، دہلی: شاہین بک سینٹر، 1982ء، ص:61

13۔ ایضاً، ص:55

14۔ ایضاً، ص:63

15۔ فتح محمد ملک، فلسطین اُردو ادب میں، ص:98

16۔ فیض احمد فیض، سر وادیٔ سینا، لکھنؤ: کتابی دنیا، سن 1962ء ص:73

17۔ نعیم صدیقی، یروشلم، یروشلم، مشمولہ: اے ارض فلسطین، مرتبہ: انتظار نعیم، دہلی، ادارہ ادب اسلامی ہند، ص:۱۹

18۔ فتح محمد ملک، فلسطین اُردو ادب میں، ص:۱۲۲

19۔ فراست رضوی، سلام فلسطین (مزاحمتی نظمیں)، کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، 2019ء، ص:101

20۔ ایضاً، ص:121

21۔ ایضاً، ص:130

References:

1. Al-Quran al-Hakeem, Surah al-Isra (17): 1
2. Ahmad Nadeem Qasmi, Nadeem Ki Nazmein, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991, P. 88
3. Ibn-e-Insha, Is Basti Ke Ik Kooche Mein, Delhi: Adabi Dunya Urdu Bazar, 1978, P. 170
4. Ada Jafri, Saaz-e-Sukhan (Intikhab), Nayi Delhi: Maktaba Jamia Limited, 1988, P. 55
5. Amjad Islam Amjad, Aks (Jadeed Arabi Nazmon Ka Manzoom Tarjuma), Lahore: Majlis-e-Taraddqi-e-Adab, 1976, P. 7
6. Fateh Muhammad Malik, Palestine Urdu Adab Mein, Lahore: Sang-e-Meel Publications, P. 118
7. Muhammad Iqbal, Zarb-e-Kaleem, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2002, P. 160
8. Ibid., P. 163
9. Muhammad Iqbal, Guftaar-e-Iqbal, Murattib: Muhammad Rafique Afzal, Lahore: Idara-e-Tehqeeqat-e-Pakistan, 1977, P. 91
10. Muhammad Iqbal, Iqbal Nama (Majmua-e-Makateeb-e-Iqbal), Murattib: Sheikh Ata Ullah, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1951, P. 445
11. Bashir Ahmad Dar, Letters of Iqbal, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1978, P. 264
12. Faiz Ahmad Faiz, Mere Dil Mere Musafir, Delhi: Shaheen Book Centre, 1982, P. 61
13. Ibid., P. 55
14. Ibid., P. 63
15. Fateh Muhammad Malik, Palestine Urdu Adab Mein, P. 98
16. Faiz Ahmad Faiz, Sar-e-Wadi-e-Sina, Lucknow: Kitabi Dunya, 1962, P. 73
17. Naeem Siddiqui, Yorushalem, Yorushalem, Mashmoola: Aye Arz-e-Palestine, Murattib: Intezar Naeem, Delhi: Idara-e-Adab-e-Islami Hind, P. 19
18. Fateh Muhammad Malik, Palestine Urdu Adab Mein, P. 122

19.Firasat Rizvi, Salam Palestine (Muzahmati Nazmein), Karachi: Rang-e-Adab Publications, 2019, P. 101
20.Ibid., P. 121
21.Ibid., P. 130